ISLAMIC ETHICS OF DISAGREEMENT AND ITS IMPORTANCE FOR CONTEMPORARY PAKISTANI SOCIETY

اختلاف رائے کے اسلامی آداب اور پاکستانی معاشرہ کے تناظر میں ان کی اہمیت

Ahmed Raza, Asst. Prof., Department of Hadith & Hadith Sciences, AIOU, Islamabad. ahmad.raza@aiou.edu.pk
Muhammad Shahid, Asst. Prof., Department of Hadith & Hadith Sciences, AIOU, Islamabad. shahid_edu98@yahoo.com
Muhammad Ghulam Haider, Lecturer in Islamic Studies, University of Agriculture Faisalabad.

ABSTRCT

The core objective of this paper is to understand the Islamic ethics of disagreement and its value for contemporary Pakistani society. This study will enhance the knowledge of the theoretical understanding of the ethics of disagreement. Difference of opinion is the beauty of Islamic history. The Holy Prophet Muhammad (PBUH) and his companions made their difference of opinions when they discussed any issue. This tradition was promoted in the early Islamic centuries. But now a days the difference of opinion has become a source of dispute and a cause of sectarianism. This article aims to suggest some valid solutions to minimize the contradictions in our society. If Islamic ethics of difference are followed, unity and peace will flourish in the community.

***KEYWORDS**: Islamic ethics of disagreement, difference of opinion, contradictions sectarianism.*

موضوع کا تعارف اور ضرورت واہمیت

علم و تحقیق کے شعبوں میں اہلِ علم و فن کے درمیان اختلاف رائے جاری رہتا ہے اس لیے کہ اختلاف رائے انسانی فطرت کا امتیاز اور تقاضا ہے۔ اختلاف رائے سے علم و شعور کی پختگی کا اظہار ہوتا ہے اور ترقی کی نئی راہیں کھلتی ہیں۔ کسی علم و فن کے ارتقاء اور بقاء کے لئے فکری عمل کا تسلسل ایک بنیادی چیز ہوتی ہے۔ اگر یہ تعمیری کی بجائے تخریبی اور مثبت کی بجائے منفی ہو جائے تو وہ علم و فن زوال پذیر ہو جاتا ہے اور بالآخر اپنا وجود کھو دیتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ اختلافِ رائے کی بنیاد کسی تعصب، ذاتی پسند یا پہلے سے قائم شدہ کسی نظریہ کی بنیاد پر نہ ہو بلکہ اس کی بنیاد کسی نئی دریافت یا علم و تحقیق کے نئے میدان سے ہو اور ٹھوس دلیل اور مسلسل غور و فکر کا نتیجہ ہو۔ مسلمانوں کے شاندار ماضی میں اختلافِ رائے کے اظہار کے لئے بہت احتیاط برتی جاتی تھی۔ صرف ماہرین ہی کسی معاملہ میں اپنی رائے کا اظہار کرتے تھے جس پر انہیں عبور اور مہارت تامہ حاصل ہوتی تھی۔ اگرچہ اختلافِ رائے اہلِ علم کا بنیادی حق ہے تاہم یہ بھی ضروری ہے کہ اختلافِ رائے سے معاشرہ میں کسی قسم کا انتشار نہ پھیلے۔ اس کے لیے ان اسلامی آداب کی پابندی ضروری ہے جن کے اندر رہتے ہوئے اختلافِ رائے کی گنجائش موجود رہتی ہے۔ عصر حاضر میں پاکستانی معاشرہ قرآن و سنت کے علمی انوار کے باوجود چند فکری اور فقہی اختلافات کی بناء پر برے طریقہ سے فرقہ واریت کا شکار ہو چکا ہے۔ اس المناک صورتحال میں افراد معاشرہ پر انفرادی اور اجتماعی سطح پر لازم ہے کہ وہ اپنی

عالمگیر اسلامی تعلیمات کی طرف رجوع کریں اور اسلامی اخوت کو فروغ دیں۔اس مقالہ کا بنیادی سوال یہ ہے کہ اختلافِ رائے سے مراد کیا ہے اوراس کے اسلامی آداب و شرائط کیا ہیں؟پاکستانی معاشرہ میں اختلافِ رائے کے اسباب و اثرات کیا ہیں اور انتہا پسندی کا خاتمہ کیسے ممکن ہے؟زیر نظر مقالہ میں اس سوال کا جواب اوراختلاف رائے کے رہنما اصول قرآن و سنت اوراہل علم کی آراء کی روشنی میں پیش کیے گئے ہیں نیز پاکستانی معاشرہ کی اس حوالہ سے بہتری کے لیے قابلِ عمل تجاویز بھی پیش کی گئی ہیں۔

اختلافِ رائے کا مفہوم ابن منظور افریقی اختلاف کی تعریف یہ کرتے ہیں: و یقال تخالف الامران و اختلف اذا لم یتفقا و کل ما لم یتساوا، فقد تخالف و اختلف[1] (جب دو معاملے ایک دوسرے سے مختلف ہو جائیں اور مساوی نہ رہیں تو کہا جاتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے مخالف ہو گئے)۔ میر شریف جرجانی نے اختلاف رائے کی تعریف یہ کی ہے: الخلاف منازعة تجری بین المتعارضین لتحقیق حق او لابطال باطل[2] (کسی معاملہ میں دو متعارض اشخاص کے درمیان حق کی تحقیق یا باطل کے ابطال کی وجہ سے جاری نزاع کو اختلاف کہتے ہیں)۔ اختلاف رائے ان مسائل میں ہوتا ہے جن میں اجتہاد ہوتا ہے کیونکہ پیش آمدہ مسائل کو انسانی فہم و شعور پر چھوڑ دیا گیا ہے اور اس معاملہ میں رہنمائی کے لیے قرآن و سنت کو منبع و مدار قرار دیا گیا ہے۔چنانچہ یہ اختلاف ہوتا رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔یہی اختلاف اس وقت رحمت کا باعث ہو گا جب ہم انسانیت کو درپیش مسائل کے شرعی حل کے لیے مخلصانہ کوششیں کریں گے۔

اسلامی تاریخ میں اختلافِ رائے کا ارتقاء اسلام تمام انسانیت کے لئے اتحاد و اتفاق کا پیغام لے کر آیااور ہر قسم کے اختلافات کو مٹانے کی تعلیم و تلقین کرتا ہے۔عقائد و نظریات میں اتحاد و یگانگت کے باوجود معاملات کو سمجھنے اور ان کے حل میں اختلافِ رائے انسانی فطرت کا تقاضہ ہے۔قرآن و سنت نے اصولی مباحث کو قطعیت کے ساتھ طے کر دیا ہے جبکہ فروعی مباحث اور نئے پیش آمدہ مسائل کو انسانی فہم و شعور پر چھوڑ دیا ہے اور اس معاملہ میں رہنمائی کے لیے قرآن و سنت کو منبع و مدار قرار دیا ہے۔انبیائے کرام علیہم السلام کے سوا ہر انسان سے فروعی مباحث اور نئے پیش آمدہ مسائل کے حل میں فکری خطا کا شائبہ موجود رہتا ہے اور اسی لیے انسانی فکر و نظر میں غلطی کا امکان بھی پایا جاتا ہے۔چنانچہ ہمارے عظیم اسلاف نے فروعی اور نت نئے مسائل میں رد و قبول کو دلائلِ شرعیہ کے ساتھ جاری رکھا۔اس ضمن میں علماء کے اقوال درج ذیل ہیں: مولانا احمد رضا خان لکھتے ہیں:"سلف صالحین و ائمہ دین سے آج تک اہلِ حق کا یہ معمول رہا کہ ہر شخص کا قول قبول بھی کیا جاتا ہے اور اس کو رد بھی،ماسوا نبی علیہ الصلوۃ السلام کے"[3]۔

مفتی نوراللہ نعیمیؒ فقہائے امت کے درمیان فکری اختلاف کی بابت ایک فتویٰ میں لکھتے ہیں:"حضرت امام اعظمؒ کے محققانہ اقوال و فتاویٰ شرعیہ کی موجودگی میں حضرات صاحبین وغیرھما اوراجلہ تلامذہ بلکہ متاخرین کے بھی بکثرت ایسے اقوال و فتاویٰ ہیں،جو ان کے خلاف ہیں جن کی بنا قول صوری و ضروری وغیرہ اصولِ ستہ پر ہے"[4]۔ علامہ غلام رسول سعیدی اکابرین امت سے فکری اختلاف کی

بابت لکھتے ہیں:"اکابر کا کوئی قول اگر قرآن مجید اور حدیثِ صحیح کے خلاف ہو تو اصاغر اس قول سے اختلاف کر سکتے ہیں۔ اور اس میں اکابر کی کوئی بے ادبی اور گستاخی نہیں ہے بلکہ اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی بڑائی کا اظہار ہے"[5]۔

مفتی محمد شفیع صحابہ کرام، تابعین، فقہاء اور آئمہ اربعہ کے فقہی اختلاف اور اس کی وسعت کی بابت لکھتے ہیں:"فقہائے امت کا اس پر اتفاق رہا ہے کہ ائمہ میں سے کسی کا مسلک باطل نہیں ہے اور ان کے پیروکاروں کو گنہگار کہنا جائز نہیں ہے۔ ائمہ مجتہدین اور فقہاء امت کے مذاہب کے اختلافات کا حاصل اس سے زیادہ نہیں کہ ایک مجتہد کا اختیار کردہ مسلک اس کے نزدیک راجح ہے مگر اس کے مقابل دوسرے مجتہد کے مسلک کو بھی وہ باطل نہیں کہتے بلکہ اس کو بھی حق پر ہی سمجھتے ہیں اور باہم ایک دوسرے کا پورا احترام کرتے ہیں۔ صحابہ، تابعین، فقہاء اور ائمہ اربعہ کے بیشمار حالات و واقعات اس پر شاہد ہیں کہ فقہی مسلک میں بہت سے مسائل میں مختلف ہونے اور علمی بحثیں جاری رہنے کے باوجود ایک دوسرے کا مکمل احترام کرتے تھے۔ جنگ و جدال اور خصومت و عداوت کا وہاں کوئی احتمال ہی نہ تھا۔ مذاہب فقہاء کے متبعین اور مقلدین میں بھی جہاں تک صحیح علم و دیانت رہی ان کے باہمی معاملات ایسے ہی رہے"[6]۔

مفتی نوراللہ نعیمی جدید مسائل میں اختلاف کی بجائے اتفاق کے خواہاں ہیں، ملاحظہ کیجیے:"کسی ناجائز اور غلط چیز کو اپنے مفاد اور منشا سے جائز و مباح کہنا ہر گز ہر گز جائز نہیں۔ مگر شرعاً اجازت ہو تو عدم جواز کی رٹ لگانا بھی جائز نہیں۔ کیا ہی اچھا ہو کہ ہمارے ذمہ دار علمائے کرام محض اللہ تعالیٰ کے لیے نفسانیت سے بلند و بالا سر جوڑ کر بیٹھیں اور ایسی جزئیات کے فیصلے کریں"[7]۔

اہل علم کی تصریحات سے واضح ہو گیا کہ اجتہادی مسائل میں علمی و فکری اختلاف کی روایت بہت قدیم ہے۔ اصاغر نے جدید مسائل کے حل کے لیے اکابر سے دلائل کی روشنی میں احترام کو ملحوظ رکھ کر اختلاف رائے کیا ہے اور احقاقِ حق کی بھرپور علمی و فکری کوشش کی ہے۔ آغاز اسلام سے اختلافِ رائے کی خالص علمی روایت کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

رسول اللہ ﷺ کے عہد میں اختلافِ رائے   صحابہ کے عہد میں اختلافِ رائے

رسول اللہ ﷺ کے عہد میں اختلافِ رائے نبی اکرم ﷺ کے بابرکت زمانہ میں اختلاف کا کوئی مستقل وجود نہیں تھا۔ کسی نئے درپیش مسئلہ میں صحابہ کرام کے درمیان اختلافِ رائے ہو جاتا تو ذات رسالت مآب ﷺ کی طرف رجوع کرتے۔ جب حضور علیہ الصلوۃ والسلام اس مسئلہ کی وضاحت فرما دیتے تو وہ اختلاف رفع ہو جاتا اور رب العزت جل شانہ نے انہیں اسی کا حکم دیا تھا: فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ[8] (تمہارے مابین اگر کسی بات میں اختلاف ہو جائے تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف رجوع کرو)۔

اگر کسی معاملہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی رائے سے کوئی حکم دیتے اور اس مسئلہ کی بابت پروردگار عالم جل جلالہ کی طرف سے کوئی حکم نازل نہ ہو چکا ہوتا یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرامؓ سے کوئی مشورہ کرتے تو بعض اوقات صحابہ کرامؓ اس مسئلہ

میں اختلافِ رائے کرتے تو آپ ﷺ ان کے اختلافِ رائے کو اہمیت دیتے اوران کی رائے پر عمل بھی کرتے تھے جیسا کہ غزوہ بدر میں اسلامی لشکر کے پڑاؤ کے سلسلے میں حضرت حباب بن منذرؓ نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے دریافت کیا کہ یارسول اللہ! کیا آپ اس مقام پر حق تعالیٰ کے حکم سے اترے ہیں یا اس سے آگے پیچھے ہٹنے کا اختیار ہے؟ خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ محض جنگی حکمت عملی کے طور پر ہے۔ انہوں نے کہا یہ مقام مناسب نہیں ہے آپ آگے تشریف لے چلیں اور جو چشمہ قریش کے لشکر کے قریب ہے وہاں پڑاؤ ڈالیں، اور ہم اپنے چشمے پر حوض بنا کر پانی بھر لیں گے اور دیگر چشمے کاٹ دیں گے۔ ان کی رائے سن کر امام الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "تم نے بہت مناسب رائے دی"۔[9]

صحابہ کرام کا سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک دور میں مختلف معاملات میں اختلافِ رائے ہوا لیکن آپ ﷺ نے کسی پر نکیر نہیں فرمائی بلکہ مسائل کی حقیقت اوران میں موجود فضیلت کو مکمل وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا۔ اس بابت دو احادیث ملاحظہ کیجیے:

انه سمع رجلا يقرا آية سمع النبي صلى الله عليه وسلم خلافها فاخذت بيده فانطلقت به إلى النبي صلى الله عليه وسلم فقال: كلاكما محسن فاقرءا اكبر علمي-قال: فإن من كان قبلكم اختلفوا فاهلكهم[10] (عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت ابی بن کعبؓ کو ایک آیت پڑھتے سنا، وہی آیت انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے خلاف سنی تھی۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں میں نے ان کا ہاتھ پکڑا اور انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا اور آپ کے سامنے معاملہ پیش کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم دونوں صحیح ہو اس لیے اپنے اپنے طور پر پڑھو۔ (شعبہ راوی) کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ تم سے پہلی امتوں نے باہم اختلاف کیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کر دیا)۔خرج رجلان في سفر فحضرت الصلاة وليس معهما ماء فتيمما صعيدا طيبا فصليا، ثم وجدا الماء في الوقت فاعاد احدهما الصلاة والوضوء ولم يعد الآخر، ثم اتيا رسول الله صلى الله عليه وسلم فذكرا ذلك له، فقال للذي لم يعد: اصبت السنة واجزاتك صلاتك، وقال للذي توضا واعاد: لك الاجر مرتين[11]۔

(ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ دو لوگ کسی سفر پر روانہ ہوئے۔ نماز کا وقت ہوا تو ان کے پاس پانی نہیں تھا۔ دونوں نے تیمم کر کے نماز پڑھ لی۔ پھر نماز کا وقت ختم ہونے سے پہلے ہی انہیں پانی میسر آ گیا تو ان میں سے ایک نے وضو کر کے دوبارہ نماز پڑھی مگر دوسرے نے نماز نہیں دہرائی۔ پھر دونوں سفر سے واپسی کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے اس بات کا ذکر کیا تو آپ نے اس شخص سے جس نے دوبارہ نماز نہیں پڑھی تھی کہا تم نے سنت کے مطابق عمل کیا اور دوسرے شخص سے جس نے وضو کیا تھا اور نماز دوبارہ پڑھ لی تھی فرمایا تمہیں دوہرا اُجر ملے گا)۔

درج بالا احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہ کی تصویب فرمائی اور ان میں سے کسی کی نکیر نہیں فرمائی۔ البتہ آپ ﷺ نے ایک کے عمل کو افضل اور اولیٰ قرار دیا۔ اس سے اختلاف صحابہؓ اور اختلافِ ائمہ کی بھی وضاحت ہو جاتی ہے کہ شرعی مسائل میں اختلافِ رائے درحقیقت افضل و اولیٰ کا اختلاف ہے اور عمل ہر ایک کا سنت کے مطابق ہی ہے نیز آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہؓ کو اس اختلاف سے منع کیا جو ہلاکت اور عذاب کا باعث ہو۔ عصر حاضر میں ایسے اختلاف سے بچنا امت کے لیے ناگزیر ہو گیا ہے۔ اس لیے اجتماعی طور پر اب امت کو اختلاف در اختلاف کی مہلک روش سے چھٹکارہ حاصل کرنا ضروری ہے۔

صحابہ کرام کے عہد میں اختلافِ رائے پہلا اختلاف جو عہد صحابہ میں رونما ہوا وہ خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بارے میں تھا۔ اس جانکاہ صدمہ کے وقوع پذیر ہونے پر حضرت عمرؓ سے ضبط نہیں ہو رہا تھا۔ حالت اضطراب میں انہیں یقین نہیں ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے پردہ فرما کر بارگاہ ایزدی میں تشریف لے جا چکے ہیں۔ لیکن جب حضرت ابو بکر صدیقؓ تشریف لائے اور انہوں نے صورتحال کا جائزہ لیا تو ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس میں اللہ جل شانہ کی حمد و ثناء کے بعد قرآن کی یہ آیات پڑھ کر سنائیں: وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ[12]۔ یہ آیات سن کے حضرت عمرؓ کا اضطراب ختم ہو گیا اور انہیں تیقن حاصل ہو گیا کہ حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے جا چکے ہیں۔ راوی کہتے ہیں اللہ کی قسم ایسا معلوم ہوا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی اس تلاوت سے پہلے لوگوں کو معلوم ہی نہ تھا کہ یہ آیت بھی اللہ جل شانہ نے قرآن مجید میں اتاری ہے۔ گویا اب تمام صحابہ نے یہ آیت آپؓ سے سیکھ لی اور ہر شخص کی زبان پر یہی آیت تھی[13]۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کو خلافت کی ذمہ داری سنبھالنے کے بعد متعدد مسائل و مشکلات کا سامنا کرنا پڑا جن میں سے ایک مشکل ترین مسئلہ منکرینِ زکوٰۃ کا تھا۔ جب حضرت ابو بکر صدیقؓ نے منکرین زکوۃ کے خلاف جہاد کا ارادہ کیا تو حضرت عمرؓ نے اس معاملہ میں اختلاف رائے کیا۔ حضرت عمرؓ سمجھتے تھے کہ زکوۃ کی وصولی صرف نبی کریم ﷺ کو اختیار تھا۔ لیکن جب خلیفۃ الرسول ابو بکر صدیقؓ نے ان پر زکوٰۃ کی اہمیت واضح فرمائی تو اختلاف رفع ہو گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اللہ کی قسم میں نے اچھی طرح جان لیا کہ جنگ کے معاملہ میں ابو بکر رضی اللہ عنہ کو پورے طور پر شرح صدر ہے۔ اسی لیے وہ اتنے مستحکم اور فیصلہ کن انداز میں بات کر رہے ہیں۔ پس مجھے یقین آ گیا کہ وہ حق پر ہیں۔[14]

صحابہ کے بعد جب تابعین و تبع تابعین کا زمانہ آیا تو انہوں نے صحابہ کرام کو اپنا مقتداء بنایا۔ شاہ ولی اللہؒ نے لکھا ہے کہ "تابعین نے صحابہؓ پر بھروسہ کیا، جہاں نبی کریم ﷺ کی توضیح اور تشریح نہ ملی تو صحابہؓ سے رجوع کیا اور ان کی تشریحات پر عمل کیا۔ تبع تابعین کا دور آیا تو انہوں نے تابعین پر اعتماد کیا اور ان سے رہنمائی حاصل کی اور اسی طرح یہ سلسلہ چلتا رہا۔ ہر دور کے علماء نے متقدمین کا حوالہ دیا اور

ان کی آراء اور فتاوی کو معتمد جانا۔ چنانچہ ہر دور کے علماء کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے سے پہلے علماء کی آراء اور فتاویٰ پر اپنے قول کی بنیاد رکھیں"۔[15]

فقہاکا شرعی مسائل میں اختلاف رائے ائمہ مجتہدین کے درمیان اجتہادی مسائل میں اختلافِ رائے کے باوجود باہمی محبت و احترام کا رشتہ کبھی ختم نہیں ہوا اور نہ کبھی اس وجہ سے ان کے آپس کے تعلقات منقطع ہوئے بلکہ ہمیشہ ان حضرات نے ایک دوسرے کا لحاظ رکھا اور ایک دوسرے کے ساتھ اکرام و احترام کا معاملہ کیا۔ ائمہ کے درمیان فقہی اختلافِ رائے سب سے زیادہ احناف اور شوافع کا ہے لیکن اس کے باوجود امام شافعیؒ، امام ابو حنیفہؒ کی فقہی بصیرت کے نہ صرف قائل تھے بلکہ ان کی علمی عظمت ورفعت کے بارے میں فرماتے تھے:

الناس عیال فی الفقه علی ابی حنیفه[16]۔ (لوگ فقہ میں امام ابو حنیفہؒ کے عیال ہیں)۔

علماء وفقہا کی روایت رہی ہے کہ اجتہادی مسائل میں وہ تمام فقہاء کی آراء کو جائز سمجھتے تھے اور بعض اوقات اپنی رائے کے خلاف ان کی رائے پر عمل بھی کر لیتے تھے۔ اس اختلاف کے باوجود کہ ایک امام کے نزدیک ایک چیز جائز اور دوسرے کے نزدیک ناجائز ہے۔ یا ایک کے نزدیک سنت اور دوسرے کے نزدیک سنت نہیں ہے۔ چنانچہ وہ ایک دوسرے کے پیچھے نمازیں پڑھتے تھے اور بعض اوقات اپنے نزدیک ثابت شدہ سنت بھی دوسرے کے احترام میں چھوڑ دیتے تھے۔ ذیل سطور میں چند مثالیں ملاحظہ کیجیے: خلیفہ ہارون الرشید نے فصد لگوانے کے بعد نماز پڑھائی اور امام ابو یوسفؒ نے اس کی اقتداء میں نماز ادا کی۔ حالانکہ خلیفہ نے دوبارہ وضو نہیں کیا تھا اور امام مالکؒ کے فتوی پر عمل کیا تھا۔ جبکہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک فصد لگوانے یا پچھنے لگوانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔[17]

امام شافعیؒ نے ایک مرتبہ امام ابو حنیفہؒ کی قبر کے پاس نماز فجر پڑھی تو محض امام صاحبؒ کے لحاظ اور ادب کی وجہ سے دعائے قنوت کو ترک کر دیا حالانکہ ان کے نزدیک فجر کی نماز میں قنوت پڑھنا سنت ہے۔ آپ نے فرمایا "بعض اوقات ہم اہلِ عراق کے مسلک پر بھی عمل کر لیتے ہیں"۔[18] خلیفہ ہارون الرشید کے دور میں امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ عیدین میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے مذہب کے مطابق تکبیریں کہا کرتے تھے حالانکہ ان کا مسلک اس کے خلاف تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہارون الرشید کو اپنے جد امجد (حضرت عبد اللہ بن عباسؓ) کی تکبیریں پسند تھیں۔[19] ذوی الارحام کی میراث سے متعلق امام شافعیؒ کی رائے یہ تھی کہ ان کو وراثت نہیں ملے گی۔ لیکن بعد میں آنے والے شافعی فقہاء نے تبدیل شدہ حالات کو سامنے رکھا اور بیت المال کے غلط استعمال کی وجہ سے یہ فتوی دیا کہ ذوی الارحام کو وراثت میں حصہ دیا جائے گا۔ اسی طرح امام شافعیؒ کا مسلک یہ تھا کہ سونے، چاندی اور اموالِ تجارت کی زکوۃ نقد روپیہ سے نہیں دی جاسکتی۔ لیکن شافعی فقیہ امام بلقینی نے فتوی دیا کہ نقد روپیہ کے ذریعہ ان کی زکوۃ ادا کی جاسکتی ہے[20]۔

قرآن وسنت کی روشنی میں اختلافِ رائے کے آداب قرآن کریم میں سابقہ قوموں کے حالات کے ضمن میں جہاں اختلافِ رائے کے آداب و احکام بیان کئے گئے ہیں وہیں مسلمانوں کو اختلاف و تفرقہ بازی سے روکا گیا ہے اور اتحاد و اتفاق کی تلقین کی گئی ہے۔ قرآن وسنت

میں اس قسم کے احکامات ملتے ہیں جن میں حق کی بنیاد پر اختلافِ رائے کے اصول و آداب کا تعین ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن و سنت کی روشنی میں اختلافِ رائے کے چند اہم آداب درج ذیل ہیں:

امورِ مشترکہ کی دعوت اختلافات مختلف ملتوں اور ادیان کے ماننے والوں میں بھی ہوتے ہیں اور ایک ہی دین کے ماننے والوں میں بھی۔ لیکن ان اختلافات کے باوجود کچھ امور اور نکات ایسے ہوسکتے ہیں جو اشتراک اور اتحاد کا باعث ہوں۔ چنانچہ قرآن حکیم نے مشترکات کو اپنانے کی تلقین کی ہے اور ان کی بناء پر اتحاد کی دعوت دی ہے فرمان ربی ہے: قُلْ يَاأَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْاإِلَى كَلِمَةٍسَوَاءٍبَيْنَنَاوَبَيْنَكُمْ[21]۔ (اے محبوب! آپ اہلِ کتاب سے کہہ دیجیے اس کلمہ کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے)۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے حاملین کتاب کے درمیان اتحاد کا جو ضابطہ بتایا ہے وہ قیامت تک کے لئے مشعل راہ اور مینارہ نور ہے۔ مفتی محمد شفیعؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ’’تبلیغ و دعوت کا ایک اہم اصول اس آیت سے معلوم ہوتا ہے وہ یہ کہ اگر کوئی شخص کسی ایسی جماعت کو دعوت دینے کا خواہشمند ہو جو عقائد و نظریات میں اس سے مختلف ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ مخالف العقیدہ جماعت کو صرف اس چیز پر جمع ہونے کی دعوت دی جائے کس پر دونوں کا اتفاق ہو سکتا ہو‘‘[22]۔

مذہبی رواداری مذہبی رواداری کے حوالے سے میثاق مدینہ تاریخی اہمیت کا حامل ہے۔ عقیدے میں اختلاف کے باوجود مذہبی رواداری کے بارے میں میثاق مدینہ سے بہترین رہنمائی ملتی ہے مثلاً میثاق مدینہ کی متعدد دفعات میں ایک اہم دفعہ یہ ہے للمسلمين دينهم و لليهود دينهم[23] (یعنی مسلمانوں کے لئے مسلمانوں کا دین اور یہودیوں کے لئے یہودیوں کا دین ہے) میثاق مدینہ اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ اگر مذہبی رواردی کا لحاظ رکھا جائے تو عقیدہ کا اختلاف باہمی تعلقات، معاہدات اور اشتراک کی بنیاد پر اتحاد میں روکاوٹ نہیں بنتا۔ اہلِ علم و تحقیق اور علمائے کرام کو غور کرنا چاہیے کہ اہلِ کتاب اور مسلمانوں کے درمیان مشترکات کم اور اختلافات زیادہ ہیں۔ لیکن ان کثیر اختلافات کو نظر انداز کر کے اشتراک کا سبب بننے والے ایک نقطہ کو بنیاد بنا کر اہلِ کتاب کو اشتراک کی دعوت دی گئی ہے۔ جب کہ عصرِ حاضر میں مسلمانوں کے مختلف فرقوں میں اختلافی امور کم اور مشترکات زیادہ ہیں لیکن ہر مکتبہ فکر اختلافی نکات کو ہی زیادہ اہمیت کی نظر سے دیکھتا ہے ۔ نتیجتاً مخالفت بڑھتی جاتی ہے۔ اگر پاکستان میں موجود اسلامی مکاتب فکر کے درمیان مشترکات اور اختلافات کی الگ الگ فہرستیں بنائی جائیں تو یقیناً مشترکات، اختلافی امور سے زیادہ ہی ہوں گے۔ لہذا ہماری رائے اس بابت یہ ہے کہ مشترکات کی بنیاد پر امت میں اتحاد کی ہر ممکن کوشش کی جانی چاہیے اور اختلافی امور کو بھی کم سے کم کیا جانا چاہیے۔

اکابرین کا احترام اختلافِ رائے میں شدت کی وجہ یہ بھی ہے کہ اختلاف کے اظہار کے وقت ایک دوسرے کے اکابرین کا احترام ملحوظ نہیں رکھا جاتا۔ بلکہ بعض اوقات علی الاعلان ان پر سب و شتم کیا جاتا ہے نتیجتاً فریق مخالف اس قسم بلکہ اس سے بھی سخت کے رویہ کا اظہار کرتا

ہے۔ حالانکہ کلام اللہ میں غیر اللہ کی توہین اور سب وشتم سے روکا گیا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اسکے بدلے تمہارے معبودِ حقیقی کی توہین کے مرتکب ہوں گے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَلا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ[24]۔
(اور گالی نہ دو ان کو جنہیں وہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں۔ ورنہ یہ لوگ حد سے گذر کر عدمِ علم کی بناء پر اللہ کو برا کہیں گے)۔

امام رازیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے: لانک متی شتمت الهتهم غضبوا، فربما ذکروا الله تعالیٰ بما لا هؤینبغی من القول فلأجل الاحتراز عن هذا المحزور وجب الاحتراز عن هذا المقال[25]۔(یہ حکم اس لئے دیا گیا ہے کہ جب تم ان کے معبودوں کو سب وشتم کروگے تو وہ غضبناک ہو جائیں گے۔ ممکن ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی توہین کا ارتکاب کریں۔ لہذا اس سے بچنے کے لئے ایسے مکالمہ یا گفتگو سے احترازلازم ہے)۔

اس سے یہ سمجھنا چاہیے کہ جب کوئی کسی کے مذہب یا مسلک کے اکابر کو بُرا کہے گا تو جواباًدوسرا فریق بھی خاموش نہیں رہے گا ۔اس طرح یہ سلسلہ اختلاف کی خلیج وسیع کرتا رہے گا نتیجتاً فساد بڑھتا جائے گا۔ چنانچہ دانشمندان قوم کی ذمہ داری ہے کہ وہ اختلافی مسائل کے اظہار و بیان میں مخالف مسلک کے علماء و مشائخ کے بارے میں ایسا لب و لہجہ اختیار نہ کریں جو دل آزاری پر مبنی ہو اور نفرتوں کو ہوا دینے کا باعث بنے۔

حسنِ ظن مختلف مسالک اور مکاتب فکر میں اختلاف کی بڑھتی ہوئی خلیج کا ایک سبب حسنِ ظن کا فقدان بھی ہے۔ اگر اجتہادی مسائل میں حسنِ ظن سے کام لیا جائے تو اختلاف کی شدت میں کمی ہو سکتی ہے۔ اس لیے کہ معاشرتی بگاڑ اور فساد کا ایک سبب بدگمانی ہے جس سے بچنے کی تلقین قرآن حکیم میں کی گئی ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ[26]۔ (اے اہل ایمان بہ کثرت بدگمانیوں سے بچو۔ بیشک بعض گمان گناہ ہوتے ہیں)۔

اختلافی امور میں حسنِ ظن سے کام لیتے ہوئے اگر یہ موقف اختیار کیا جائے کہ دلائل تو ہمارے مسلک کے قوی ہیں مگر دوسرا فریق بھی اپنے خیال میں سنت پر عمل کر رہا ہے تو اس سے اختلاف کی شدت کو کم کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے کہ حسنِ ظن ایک ایسی نیکی ہے جس کے فوائد بے شمار ہیں اور اس کا نقصان کوئی نہیں ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ شرعی معاملات میں اختلافِ رائے کے معاملے میں حسنِ ظن سے کام لیا جائے تاکہ اختلافِ رائے کی شدت کو کم کیا جا سکے۔ مفتی محمد شفیعؒ لکھتے ہیں: "خرابی اختلافِ رائے میں نہیں اور نہ ہی کسی اور رائے پر عمل کرنے میں ہے۔ بلکہ ساری خرابیاں دوسروں سے متعلق بدگمانی اور بدزبانی سے پیش آتی ہیں۔ جو علم و دیانت کی کمی اور اغراض و ہوا کی زیادتی کا نتیجہ ہوتا ہے اور جب کسی قوم یا جماعت میں یہ صورت پیدا ہو جاتی ہے تو ان کے لئے یہ اختلافِ رحمت بھی اختلافِ عذاب کی صورت میں منتقل ہو جاتا ہے"[27]۔

شائستہ رویہ اختلافِ رائے میں شدت کا ایک سبب یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک یا دونوں فریق باہمی تبادلہ خیالات میں احتیاط سے کام نہیں لیتے اور علمی گفتگو میں بھی ایسا لہجہ اور رویہ اختیار کیا جاتا ہے جو مخالف فریق کے لئے ناقابلِ برداشت ہوتا ہے۔ رویوں اور لہجوں کی سختی اور اندازِ بیان میں بے احتیاطی مسلکی اختلاف میں فتنہ وفساد کا سبب بنتی ہے۔ لہٰذا اختلافی مسائل اور ان کے دلائل کے بیان میں بھی لہجہ نرم اور رویہ شائستہ رکھا جائے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جب خالق کائنات نے حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو فرعون کے پاس دعوت ونصیحت کے لیے بھیجا تو ان کو یہ ہدایت فرمائی: فَقُولا لَهُ قَوْلا لَيِّنًا لَعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَى [28]۔ (تم دونوں اس سے نرمی سے بات کرو، شائد وہ نصیحت پکڑے یا ڈر جائے)۔

اس آیت میں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ جب فرعون جیسے سرکش کے ساتھ گفتگو میں نرمی برتنے کا حکم دیا گیا ہے تو اجتہادی مسائل میں اختلافِ رائے پر شدت پسندانہ رویہ، دل آزاری اور اذیت پہنچانے والی گفتگو کی گنجائش کیسے ہو سکتی ہے۔ چنانچہ اختلاف رائے میں نرم رویہ اور شائستہ انداز اپنایا جائے تاکہ معاملات سنگینی کی حد تک نہ پہنچ جائیں۔

اعتدال شرعی مسائل میں اختلاف رائے میں بسا اوقات اہلِ علم کے درمیان بحث ومباحثہ اور مناظرہ کی نوبت بھی آجاتی ہے۔ لہٰذا اس موقع پر آداب کا خیال رکھا جائے اور بحث ومباحثہ کا مقصد محض اپنی علمیت کا اظہار اور مخالف کو مسکت جواب دینا مقصود نہ ہو بلکہ اس کا مقصد حقیقت تک رسائی ہو جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ [29] (انہیں حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ اپنے رب کی طرف بلاؤ اور ان کے ساتھ اچھی طریقہ سے بحث کرو)۔

مذہبی مباحث میں جب اہل کتاب اور دیگر غیر مسلموں کے ساتھ جدال احسن کی تلقین کی گئی ہے تو مسلمان اہل علم کے درمیان اس کی زیادہ رعایت ہونی چاہئے۔ اگر مذہبی مباحث میں اس کی رعایت کی جائے تو اختلاف رائے کی شدت کے باوجود لڑائی جھگڑوں اور معاشرتی انتشار سے بچا جاسکتا ہے۔ سیرت طیبہ میں صلح حدیبیہ سرور کائنات ﷺ کی دینی وسیاسی بصیرت، امن پسندی، مذہبی رواداری اور اعتدال پسندی کی روشن مثال ہے۔ اس معاہدے سے اختلافِ رائے کے آداب واضح ہوتے ہیں مثلاً عقائد کے اختلاف اور باہمی جنگوں کے باوجود بقائے باہمی کی بنیاد پر قیام امن کے لئے معاہدے کیا جاسکتا ہے۔ حق پر ہونے کے باوجود محض قیام امن اور انسانیت کے فائدے کے لئے فریق مخالف کی بعض نامعقول شرائط کو بھی تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ صلح حدیبیہ کے فوائد کی بابت امام زہریؒ کا یہ قول نقل فرماتے ہیں: ''صلح حدیبیہ ایک ایسی عظیم الشان فتح تھی کہ اس سے قبل اس شان کی فتح نصیب نہیں ہوئی۔ باہم جنگ کی وجہ سے دو فریق آپس میں مل نہیں سکتے تھے۔ صلح حدیبیہ کی وجہ سے جنگ ختم ہوئی، امن قائم ہوا اور جو مسلمان مکہ میں اپنے اسلام کو ظاہر نہیں کر

سکتے تھے وہ اعلانیہ احکام اسلام پر عمل کرنے لگے۔ باہمی منافرت اور دشمنی دور ہوئی۔ اسلامی مسائل پر گفتگو ہوئی۔ مشرکین مکہ نے قرآن سنا۔ بایں وجہ فتح مکہ تک اس قدر کثرت سے لوگ مسلمان ہوئے کہ اب تک اتنے مسلمان نہیں ہوئے تھے"[30]۔

اہل علم کی طرف رجوع اختلاف رائے کا ایک سبب اختلافی مسائل میں وسعت مطالعہ اور علم کی کمی بھی ہے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر عالم ومفتی تمام شرعی مسائل خصوصاً پیش آمدہ مسائل پر دسترس رکھتا ہو۔ اگر کسی مسئلہ میں اس کو شرح صدر نہیں ہے تو چاہیے کہ اہل علم سے یا اس فن کے ماہرین سے رجوع کرے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ[31] (اہل علم سے پوچھ لو اگر تم نہیں جانتے)۔ اہل علم کی طرف رجوع اس لیے کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں علم عطا کرکے بہترین درجہ پر فائز کردیا ہوتا ہے اور ان کے ساتھ خیر کا معاملہ کیا ہوتا ہے جیسا کہ حدیث مبارکہ میں وارد ہوا ہے: قال النبي صلى الله عليه وسلم من يرد الله به خيرا يفقهه في الدين (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اسے دین کی فقاہت دے دیتا ہے)۔

اگر اختلافی مسائل میں ماہرین کی طرف رجوع کیا جائے تو اختلافات کی خلیج کم ہو سکتی ہے۔ لہٰذا اہل علم وتحقیق کا یہ فرض ہے کہ جس مسئلہ کے بارے میں وہ کماحقہ تحقیق نہیں رکھتے اس کی بابت کوئی رائے نہ دیں۔ اور عوام دونوں کا فرض ہے کہ ایسے مسائل جن میں اجتہادی یا مسلکی اختلاف ہے ان میں رہنمائی کے لیے مستند عالم کی طرف رجوع کریں اور اس کی رائے پر عمل کریں۔

پاکستانی معاشرہ میں اختلافِ رائے کے اسباب واثرات

پاکستانی معاشرہ میں اختلافِ رائے کے اسباب واثرات حسب ذیل ہیں:

مذہبی انتہاپسندی قرآن وسنت نے زندگی کے ہر شعبے میں اعتدال اور میانہ روی کی تعلیم دی ہے لیکن ہمارے معاشرے میں مذہبی انتہا پسندی کا شدید رجحان پایا جاتا ہے جس کی وجہ سے فرقہ واریت میں بے حد اضافہ ہوا ہے۔ مذہبی انتہاپسندی کے حوالہ سے معاشرتی صورت حال کے بارے میں مولانا تقی امینی کا یہ مؤقف صحیح عکاسی کرتا ہے کہ "مسلم قوم کی زندگی کا سب سے بڑا سانحہ یہ ہے کہ اس سے عدل و توازن رخصت ہو گیا ہے۔ ایک طرف دین اور دنیا کی تقسیم نے اسلام کو دوسرے مذہبوں کے مشابہہ بنادیا ہے اور دوسری طرف جماعت سازی و گروہ بندی نے اس زعم فاسد میں مبتلاء کردیا ہے کہ حق وہی ہے جو وہ کہتا ہے۔ صحیح وہی ہے جو وہ کرتا ہے، صالح وہی ہے جو اس کی جماعت میں ہے اور داعی وہی ہے جو اس کی جیسی بات کرتا ہے"۔[32]

مذہبی انتہاپسندی کی وجہ سے نفرتوں میں اضافہ ہوتا ہے، فرقہ واریت بڑھتی ہے اور قومی وقار میں کمی ہوتی ہے۔ چنانچہ اس کا قلع قمع بے حد ضروری ہے جس کا طریقہ یہ ہے کہ قومی سطح پر اس کی مذمت ہونی چاہیے اور قوم کے درمیان اتحاد کو فروغ دینے کی بھرپور کوشش کی جانی چاہیے۔

فرقہ واریت تفرقہ ہمیشہ امت کے اختلافات سے ہی پیدا ہوتا ہے۔ جب کسی معاشرے میں سرکردہ دینی شخصیات میں اختلاف پیدا ہوتا ہے اور وہ اس اختلاف پر ڈٹے رہتے ہیں اور اپنا سارا زور اور علمی مہارت اپنے موقف و مسلک کو درست ثابت کرنے پر لگا دیتے ہیں، تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ امت میں دو گروہ پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور بالآخر یہ دو گروہ دو مختلف فرقوں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس قسم کے اختلافات اور فرقہ بندی سے روکا ہے۔ ارشاد ہے: وَلاَ تَكُونُوا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْهم بَعْدِ مَاجَآئَهُمُ الْبَيِّنٰتُ[33]۔ (تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے تفرقہ کیا اور اختلاف کیا اس کے بعد کہ ان کے پاس واضح نشانیاں آگئیں)۔

اس آیت مبارکہ میں تفرقہ اور اختلاف کا ذکر ایک ساتھ کیا گیا ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ تفرقہ اختلاف کا نتیجہ ہوتا ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر یٰسین مظہر صدیقی لکھتے ہیں: ''بعد کی صدیوں میں بالخصوص قرونِ خیر کے بہت بعد کے زمانے میں اور خاص ہمارے عہد میں دینی اختلافات نے بھیانک شکل اختیار کر لی۔ فقہی اختلافات نے ایسا طوفان بدتمیزی برپا کیا کہ ایک اکیلی اور متحد اسلامی امت مختلف فرقوں میں بٹ گئی حالانکہ وہ فرقہ واریت نہ تھی۔ سنن کا تنوع اور تعبیراتِ حدیث و کتاب کا اختلاف رحمت تھا جس میں امت مرحومہ کی آسانی اور سہولت مضمر تھی اور اس سے زیادہ تمام سنتوں پر عمل کرنا اور ان کو شائع کر کے ان کو تا قیامِ قیامت زندہ و تابندہ رکھنا مقصود تھا۔ لیکن ان اختلافات نے بالخصوص اور دوسرے دینی و تشریعی اختلافات نے بالعموم ایمان و کفر اور صحیح و غلط کے جھگڑے پیدا کر دیئے''[34]۔

تعصب عصر حاضر میں ہر مکتب فکر تعصب کا شکار ہے۔ اس تعصب کی وجہ سے وہ مخالف فریق کے اچھے کاموں کو بھی نظر انداز کر دیتا ہے اور اپنی غلطیوں و کوتاہیوں سے صرف نظر کرتا ہے۔ علامہ رشید رضا اس تعصب کے نقصانات کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''مذہبی تعصب کے علم برداروں نے اختلاف کو رحمت نہ بننے دیا۔۔۔ اجتہادی اور فروعی مسائل میں مسلمانوں میں جو تعصب، ایذا رسانی اور تفرقہ بازی پیدا ہو گئی ہے اس کو سلف صالحین کی رواداری اور میانہ روی سے کیا نسبت ہو سکتی ہے''[35]۔

عصر حاضر میں اختلافِ رائے کو اختلاف فی الدین سمجھنا، دینی احکام کی عدم معرفت، جہالت، علمی برتری کا غرور، فروعی مسائل پر غیر ضروری مباحثہ اور مسلکی تشخص کو ابھارنا وہ بنیادی اسباب ہیں جو مسلکی تعصب میں اضافہ کرتے ہیں، فرقہ واریت کو ہوا دیتے ہیں اور امت کی وحدت کو پارہ پارہ کرتے ہیں۔ اگر فروعی مسائل میں اختلافات کی حقیقت سے آگاہی کے ساتھ ساتھ اخلاص، خوفِ خدا اور علمی دیانت کی خوبیاں بھی ہوں تو اعتدال کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے اور جھگڑوں کی نوبت نہ آئے۔

تکفیریت پاکستانی معاشرہ کا ایک اہم ترین اور حساس مسئلہ تکفیریت کا رجحان ہے۔ اپنے مسلک کا دفاع کرتے ہوئے دوسروں پر کفر کا فتویٰ لگا دینا ایک معمول بن چکا ہے۔ جس کی وجہ سے دہشت گردی میں اضافہ ہوا ہے۔ دہشت گردی کی مہلک جنگ میں پاکستانیوں کی پینتیس ہزار سے زائد قیمتی انسانی جانیں ضائع ہو چکی ہیں۔ ہزاروں افراد معذور ہو چکے ہیں۔ ہزاروں خاندان بے آسرا و بے سہارا ہو چکے ہیں۔ چنانچہ ریاست پاکستان کو تکفیریت کے رجحان کی سرکوبی کے لیے بھرپور حکمت عملی اختیار کرنے اور اس پر عمل درآمد کرانے کی ضرورت ہے۔ شرعی طور پر تکفیریت میں بیباکی اور جلد بازی نہایت خطرناک ہے اس لیے جس پر کفر کا فتویٰ لگایا گیا اگر وہ فی الواقع اس کا مصداق نہیں ہے تو ایسا فتویٰ دینے والے کے کفر کا اندیشہ ہے جس کی بابت صاحب قاب قوسین صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم نے فرمایا: من قال لأخيه يا كافر فقد باء بهما احدهما[36] (جس نے اپنے بھائی کو کہا اے کافر۔ اگر وہ فی الواقع کافر ہے تو ٹھیک، ورنہ کہنے والے کا قول اس کی طرف لوٹ جاتا ہے)۔ مفتی مختار الدین اختلافات کے اثرات اور اس کے نتیجے میں فرقہ واریت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ’’افسوس کی بات یہ ہے کہ عصر حاضر میں قلت علم اور کم ظرفی کی بناء پر اکثر اوقات دیکھنے میں یہ آتا ہے کہ ان فروعی اور ضروریات دین سے خارج مسائل میں بعض لوگ اس قدر تشدد اختیار کر لیتے ہیں کہ ایک دوسرے کو کافر و مشرک تک کہہ ڈالتے ہیں اور اس طرح امت مرحومہ میں انتشار و افتراق پیدا کرنے کا سبب بنتے ہیں‘‘[37]۔

مسلمانوں کے داخلی وخارجی انتشار کا المناک پہلو باہمی اختلاف ہے جس کی وجہ سے وہ متعدد گروہوں میں تقسیم ہو گئے ہیں۔ حالانکہ دین کے اصولی مسائل میں تمام مسالک متفق ہیں اور دیگر ضروریات دین کے امور میں بھی موافقت پائی جاتی ہے البتہ تحریر و تقریر میں بے احتیاطی، بدگمانی اور بے اعتدالی کی وجہ سے انتہاپسندی کو فروغ ملتا ہے۔ اگر اس بے احتیاطی، بدگمانی اور بے اعتدالی کا قلع قمع کیا جائے اور راہِ اعتدال اختیار کی جائے تو اکثر و بیشتر مسائل کا خاتمہ ہو جائے۔ چنانچہ اختلاف رائے کی روایت کو بحسن وخوبی برقرار رکھنے اور پاکستانی معاشرہ کو مثالی بنانے کے لیے ضروری ہے کہ تمام مسالک کے متبعین اعتدال کا راستہ اختیار کریں اور مسلم اخوت واتحاد کو فروغ دیں کیونکہ اسی میں ہی ہماری بقاء، سلامتی اور استحکام ہے۔

پاکستانی معاشرہ میں فرقہ واریت کے انسداد کی تجاویز

درج ذیل تجاویز پر عمل کیا جائے تو فرقہ واریت کی شدت میں کمی واقع ہو سکتی ہے:

- قومی سطح پر دین کا اجتماعی تصور اجاگر کیا جائے
- تعصب و تکفیریت کے رجحانات کو ختم کیا جائے
- امن و رواداری کو فروغ دیا جائے

- اعتدال پسندی اور میانہ روی اختیار کرنے کی ترغیب دی جائے
- سیرت طیبہ، سیرت صحابہؓ واہل بیت اور سیرت اولیاء پر عمل کی ترغیب دی جائے
- اسلامی معاشرتی اقدار کو فروغ دیا جائے
- اختلاف رائے کو اس کے مقام پر رکھا جائے
- علمی بحث ومباحثہ کی روایت قائم کی جائے
- اختلاف رائے کی تفہیم کے لیے تربیتی ورکشاپس کرائی جائیں
- مناظرانہ طرز عمل کی حوصلہ شکنی کی جائے
- تمام مسالک کے علماء کا احترام کیا جائے
- اختلافی موضوعات کو اچھالنے والے تخریبی عناصر کا ریاستی سطح پر سخت محاسبہ کیا جائے
- مسلمانوں کے درمیان اخوتِ اسلامی کو فروغ دیا جائے

حوالہ جات

1-ابن منظور، جمال الدین محمد بن مکرم، لسان العرب،، دار صادر، بیروت، ۱۴۱۴ھ، مادہ: خلف

2۔ جرجانی، علی بن محمد میر شریف، کتاب التعریفات، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۸۳ء، ص ۱۰۱، باب الخاء

3۔ بریلوی، مولانا احمد رضا خان، فتاویٰ رضویہ، مکتبہ رضویہ، کراچی، ۲۰۰۶ء، ج۶، ص ۲۸۳

4۔ نعیمی، مفتی نور اللہ، فتاویٰ نوریہ، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، بصیرپور، ۲۰۰۳ء، ج۳، ص ۴۶۹

5۔ سعیدی، علامہ غلام رسول، تبیان القرآن، ضیا القرآن پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۱۲ء، ج۲، ص ۷۰۸

6۔ مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، مکتبہ معارف القرآن، کراچی، ۱۹۸۸ء، ج۳، ص ۳۶۴

7۔ نعیمی، مفتی نور اللہ، فتاویٰ نوریہ، محولہ بالا، ج۳، ص ۴۷۰

8۔ سورۃ النساء: ۵۸

9۔ ابنِ ہشام، عبد الملک، السیرۃ النبویہ، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۶۶ء، ج۱، ص، ۶۷۴

10۔ بخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب فضائل القرآن، بَابُ اقْرَءُوا الْقُرْآنَ مَا ائْتَلَفَتْ قُلُوبُكُمْ، حدیث نمبر ۵۰۶۲

11۔ ابو داؤد، سلمان بن اشعث، سنن ابی داؤد، کتاب الطہارۃ، باب فِي الْمُتَيَمِّمِ يَجِدُ الْمَاءَ بَعْدَ مَا يُصَلِّي فِي الْوَقْتِ، حدیث نمبر ۳۳۸

12۔ سورۃ آل عمران: ۱۴۴

13۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الجنائز، بَابُ الدُّخُولِ عَلَى الْمَيِّتِ بَعْدَ الْمَوْتِ إِذَا أُدْرِجَ فِي كَفَنِهِ، حدیث نمبر ۱۲۴۲

14۔نسائی، احمد بن شعیب، السنن، کتاب الجهاد، باب وجوب الجهاد، حدیث نمبر ۳۰۹۵
15۔شاہ ولی اللہ، عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید، مترجم: ڈاکٹر محمد میاں صدیقی، شریعہ اکیڈمی، اسلام آباد، ۲۰۱۵ء، ص ۷۵۔۷۶
16۔شامی، محمد امین ابن عابدین، رد المحتار علی الدر المختار، بیروت، دار الفکر، ۱۴۱۲ھ، ج ۱، ص ۶۳
17۔رشید رضا، سید، مقدمہ المغنی لإبن قدامۃ، قاہرہ، مکتبۃ القاہرہ، ۱۳۸۸ھ، ج ۱، ص ۲۳
18۔شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، ج ۱، ص ۲۷۰
19۔ایضا، ج ۱، ص ۲۷۰
20۔شاہ ولی اللہ دہلوی، عقد الجید فی الاحکام الاجتہاد والتقلید، ص ۹۹
21۔سورۃ آل عمران: ۶۴
22۔مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ج ۲، ص ۸۷
23۔ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۱، ص ۳۳۲
24۔سورۃ الانعام: ۱۰۸
25۔رازی، فخر الدین محمد بن عمر، مفاتیح الغیب، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ، ج ۱۳، ص ۱۰۹
26۔سورۃ الحجرات: ۱۲
27۔مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ج ۳، ص ۳۶۶
28۔سورۃ طہٰ: ۴۴
29۔سورۃ النحل: ۱۲۵
30۔ابن حجر عسقلانی، شہاب الدین احمد بن علی، فتح الباری شرح صحیح بخاری، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۰۴ھ، ج ۵، ص ۲۵۶
31۔سورۃ النحل: ۴۳
32۔محمد تقی امینی، احکامِ شریعت میں حالات وزمانہ کی رعایت، کراچی، قدیمی کتب خانہ، ۲۰۰۶ء، ص ۶۸۔۶۹
33۔سورۃ آل عمران: ۱۰۴
34۔صدیقی، یٰسین مظہر، عہد نبوی میں اختلافات، (مقدمہ) ص ۱۱
35۔رشید رضا، مقدمۃ المغنی، دار الکتب الفکر، بیروت، ۱۴۰۵ھ، ج ۱، ص ۱۸ ملخصًا
36۔بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الایمان، باب بَيَانِ حَالِ إِيمَانِ مَنْ قَالَ لأَخِيهِ الْمُسْلِمِ يَا كَافِرِ، حدیث نمبر ۲۱۶
37: مختار الدین، مفتی، عصر حاضر میں اختلافات، ص ۱۵

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.